میں قانون کی یہ حاکمیت حکم راں وعہدے دار سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل واولاد تک کو محیط ہے، اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ آج اُمت اسی لیے زوال پذیر ہے کہ ہم نے اسلام کے زرّیں اُصول بُھلا کر من مانے طریقے ایجاد کر لیے ہیں اور اسلامی تعلیمات اور روایات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

لہٰذا ہر حکم راں، قاضی یا جج پر بھی لازم ہے کہ فیصلہ کرتے وقت وہ ذاتی پسند و ناپسند کو دخل دیے بغیر عدل وانصاف کے تمام تقاضے پورا کرے، خواہ اس کا فیصلہ اپنے کسی قریبی، رفیق و عزیز وغیرہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور کسی قسم کے دباؤ یا مصلحت کو قبول نہ کرے، خواہ وہ فیصلہ سربراہِ مملکت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اسلامی نظامِ عدل میں تمام انسان برابر ہیں، سربراہِ مملکت اور ایک عام مزدور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام میں اللہ کی شریعت اور قانون سب سے بالاتر ہیں، جس کا اطلاق قاضی حضرات مسلم خلفاء سمیت ہر فرد پر یکساں طور پر کرتے رہے ہیں۔

خلاصۂ کلام

ہمارے ہاں عدل صرف عدالتوں تک محدود کر دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ ایک بہت جامع اور ہمہ گیر معاملہ ہے اور انسانی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی شعبوں کو محیط ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد معاشرے میں قیامِ عدل وقسط ہے۔ اُممِ سابقہ کی ہلاکت وتباہی کا ایک اہم سبب عدل وقسط سے انحراف اور ظلم وجور کی پشت بانی رہا ہے۔ بے لاگ، بلاتفریق اور بلا استثناء عدل معاشرتی زندگی کی بقاودوام کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر معاشرے میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا، نہ اس کو برائیوں سے پاک رکھا جاسکتا ہے اور نہ امن وامان قائم کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسُنت میں عدل کے قیام پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اسلام عدالتی استثناء کے کسی تصور کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس میں اللہ کی شریعت اور قانون سب سے بالاتر ہیں۔ اسلامی تاریخ میں حکم رانوں سے باز پرس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں اور اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ قاضیوں نے بلاتفریق واستثناء سب کے ساتھ یکساں سلوک وانصاف کیا۔

غیر اسلامی دنیا کی تو بات ہی الگ ہے، ہمارے مسلم ممالک کے آئین کے

اندر موجود سربراہِ مملکت کو حاصل تحفظ اور استثناء عدل و انصاف کے سراسر منافی ہے اور قوانین و احکامِ الٰہیہ کا سراسر مذاق ہے۔ مسلمان کے لیے ملکی آئین سے بڑھ کر اللہ کی شریعت یعنی کتاب و سنت اہم ہے۔ مسلم اہل حل وعقد اور اربابِ بست و کشاد کو عدل و انصاف کے منافی اس قانون کے بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہئے اور اسے تبدیل کر دینا چاہئے، تاکہ نہ صرف ہماری مملکتوں میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور ہمارے ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکیں، بلکہ غیر مسلم دنیا اسلام کے اس بے لاگ عدل کے شان دار ثمرات سے فائدہ اٹھا سکے۔

حواشی و مراجع

۱۔ اعتزاز احسن، بیرسٹر (سابق صدر سپریم کورٹ بار پاکستان)۔ جیو ٹی وی کے مقبول پروگرام 'میرے مطابق' میں این آر او کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ممتاز ٹی وی اینکر ڈاکٹر شاہد مسعود سے گفتگو، ۲۰۰۹ئ۔

۲۔ آئینِ پاکستان، دفعہ ۲۴۸، شق ۲

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ، (طبع سوم) ص: ۸/۴۸

۴۔ صحیح البخاری، حدیث: ۳۴۷۵

۵۔ خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، مکتبہ تجاریہ، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۱ء، حدیث نمبر: ۳۷۱۸

۶۔ سنن ابی داؤد، دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۸ئ، حدیث نمبر: ۱۵۸۸

۷۔ صحیح البخاری، دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۸ئ، حدیث نمبر: ۲۷۰۷

۸۔ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۹۰

۹۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ النساء: ۲۰

۱۰۔ ابو یوسف، کتاب الخراج

۱۱۔ سنن البیہقی، ایضاً

۱۲۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۵۵

۱۳۔ شمس الدین، ابراہیم، قصص العرب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۳ھ، ۳/۶

۱۴۔ ابن جوزی، حلیۃ الاولیائ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۳ھ

۱۵۔ شمس الدین، ابراہیم۔ ایضاً: ۳/۴۷

۱۶۔ علی طنطاوی، قصص من التاریخ، المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۹۳۹ئ، ص: ۲۰۰

۱۷۔ لینگز، ولیم ایل، مترجم: غلام رسول مہر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور، ۱۹۸۵ئ، ج ۱، ص ۶۱، ۶۲

☆☆☆

سیر وسوانح

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور مجلس احرارِ اسلام
[ملکی وملّی خدمات کا ایک جائزہ]

ڈاکٹر محمد عرفان قاسمی

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے خاص طور پر مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور ان کو سماجی اور معاشی لحاظ سے تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ ان کے عقیدہ اور مذہب کی عمارت کو منہدم کرنے کے لیے تبلیغ عیسائیت کی راہ ہموار کی۔ اس پرآشوب زمانہ میں علماء کرام میدان میں اترے اور انہوں نے قوم کو انگریزی اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے تحریک چلائی۔ اسی مقصد سے شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ مولانا عبدالقادر لدھیانوی، قاضی احمداللہ شہید، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی وغیرہ نے جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان علماء کی کوششوں سے ہی ہندوستانی عوام میں سیاسی شعور اور جذبۂ حریت بیدار ہوا اور ایسا شعلہ بھڑکا جسے دبانا انگریزوں کے بس میں نہ تھا۔ مسلمانوں نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیا اور زبردست قربانیاں دے کر ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرایا، مگر آزادی کے بعد انھیں پھر سخت آزمائش سے گزرنا پڑا۔ ملک دوحصوں میں تقسیم ہوگیا، مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور وہ مسلمان، جنہوں نے ہندوستان کو ہی اپنا وطن بنانے کا فیصلہ کیا، وہ بھی طرح طرح کے مسائل کا شکار ہوئے۔ آزادی سے قبل اور اس کے بعد مسلمانانِ ہند کو مسیحی مشن، شدھی تحریک اور قادیانیت سے بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے تشخص اور ان کی جان مال کی حفاظت میں دینی وملی جماعتوں اور اداروں اور ان سے وابستہ شخصیات نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ملک وملت کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اس دور میں مجلس احرار اسلام ہند اور اس کے پہلے صدر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی خدمات ہندوستانی مسلمانوں کی ملی تاریخ کا اہم حصّہ ہے۔

مختصر حالاتِ زندگی

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی پیدائش ۳؍جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۱؍صفر ۱۳۱۰ھ کو لدھیانہ (پنجاب) کے محلہ موج پورہ میں ہوئی۔ آپ کے جد امجد مولانا عبد القادرؒ لدھیانوی، اے دادا مولانا مفتی محمدؒ اور ان کے تینوں بھائی مولانا سیف الرحمنؒ، مولانا شیخ محمد عبد اللہؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد زکریا صاحب علم وفضل میں یکتا اور اپنے زمانہ کے مایہ ناز عالم دین تھے۔ پنجاب کے اکثر وبیش تر علماء فہم قرآن وحدیث کے لیے آپ کی مجلس میں حاضر ہوکر علمی فیض حاصل کیا کرتے تھے۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ حقانی میں حاصل کی، جہاں ناظرۂ قرآن اور اردو وفارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر جالندھر کے ایک عربی مدرسہ میں پڑھنے کے لیے گئے (جس کا نام کتابوں میں کہیں مذکور نہیں ہے)۔ یہاں آپ نے دوسال تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے امرتسر گئے۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال رہ کر مختلف علوم فنون کی کتابیں پڑھیں۔ ان کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، علامہ ابراہیمؒ بلیاوی، مولانا سراج احمدؒ، مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا کو چند اہم بزرگوں کی سیاسی سرپرستی بھی حاصل رہی۔ علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی سے روابط ان کی سیاسی زندگی کے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہے۔ طالب علمی کے آخری دور میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی رفاقت حاصل رہی اور ان کے ساتھ ہندوستان کے مختلف سیاسی اور مذہبی پروگراموں میں شرکت کی۔ یہ تحریک خلافت کا ابتدائی دور تھا۔ یہیں سے ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا۔

سیاسی سرگرمیاں

بیسویں صدی کا بیسواں سال (۱۹۱۹) ہمیشہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں 'صبح صادق' تسلیم کیا جائے گا، کیوں کہ اسی سال ماہ مارچ میں ستیہ گری کی تجویز منظور کی گئی۔ اسی سال جمعیۃ علماء ہند کے نظام جدید کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اسی سال جلیان والا باغ کا وہ مشہور حادثہ پیش آیا، جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہندوستانیوں نے جنگ آزادی کی مردہ تحریک میں مظلوم و معصوم خون کے انجکشن سے جان ڈالی اور ایک کامیاب تحریک کی آبیاری کی۔ ۲؎

دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس امرتسر میں ہوا۔ چوں کہ جلیاں والا باغ کا خونی حادثہ کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا تھا، اس لیے تمام رہ نماؤں نے آپسی اختلافات کو ختم کر کے آزادئ وطن کے لیے مشترکہ جد و جہد کا فیصلہ کیا۔ اس زمانے میں وائسرائے ہند نے ایک آرڈی ننس جاری کیا کہ:

''جو شخص خلافت، کانگریس اور جمعیۃ علماء کا والنٹیر بنے اس کو چھ ماہ قید اور جو والنٹیر بنائے گا اس کو تین سال قید کی سزا دی جائے گی'' ۳؎

اس تحریک کی ابتدا میں مولانا حبیب الرحمن کو والنٹیر بننے اور بنانے کے جرم میں ۲۲/دسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح ان کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا اور تھوڑے دنوں بعد چھ ماہ کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اس عرصے میں آپ لدھیانہ، انبالہ، میانوالی، دھرم سالہ اور گجرات کی جیلوں میں رہے۔ سزا ختم ہونے سے دو روز قبل ایک دوسرے مقدمے کے لیے دفعہ ۱۰۸/ کے تحت وارنٹ دکھلا کر آپ کو جیل میں روک لیا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد ایک سال کی قید کی سزا کا حکم سنا کر ۲۰/اگست ۱۹۲۲ء کو پھر دھرم سالہ جیل میں پہنچا دیا گیا، جہاں سے ۱۶/اگست ۱۹۲۳ء کو آپ کی رہائی ہوئی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ گاندھی جی نے ۱۳/مارچ ۱۹۳۰ء کو نمک ستیہ گرہ کا آغاز کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے اس سے دو روز پیش تر لدھیانہ کے ہزاروں عوام کی موجودگی میں دریائے ستلج کے کنارے نمک بنا کر انگریزوں کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان کیا تھا۔ حکومت کے نزدیک ان کا یہ عمل قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ لہٰذا ۲۳/اپریل ۱۹۳۰ء کو دفعہ ۱۰۸/اور ۱۲۴/ کے تحت انھیں ان کے

مکان سے گرفتار کر کے جیل میں مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء کو لدھیانہ جیل میں لالہ وڈیا ساگر مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں مولانا نے حسب ذیل بیان دیا:

''میں حکومت انگریز کو ایک ایسی غیر ملکی حکومت سمجھتا ہوں، جس نے اپنی چال بازیوں اور طاقت کے بل پر ہندوستان کو غلام بنائے رکھا۔ میں اپنے لیے اور ہندوستانیوں کے لیے یہ فرض سمجھتا ہوں کہ انگریز گورنمنٹ کو جس ممکن طریق سے بھی ہم نکال کر ہندوستان کو آزاد کرائیں۔ اس بارے میں جو سزا بھی ہم کو ملے، ہم اسے بخوشی قبول کریں۔۔۔۔ میرا عقیدہ ہے کہ سچائی کے اجلے دامن پر برطانوی حاکمیت و طاقت ایک سیاہ داغ ہے اور اس داغ کو دھونا اگر جرم ہے تو میں اقرارِ جرم کرتا ہوں اور قانونِ عدالت کو اپنی منشا پوری کرنے کی اجازت دیتا ہوں'' [۴]

مولانا لدھیانوی کا یہ بیان تحریری شکل میں تھا۔ اس پر انھیں ایک سال قید کی سزا ہوئی اور انہیں لدھیانہ جیل سے گجرات جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں انہیں ڈاکٹر انصاری کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور یہیں سے ڈاکٹر صاحب سے مولانا کے تعلقات بڑے گہرے ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے علاوہ جیل میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس گرفتاری سے وہ مئی ۱۹۳۱ء کو رہا ہوئے۔

مجلس احرار اسلام کی تاسیس اور اس کے تحت سرگرمیاں

مجلس احرار اسلام کے قیام ۱۹۲۹ء کے بعد احراری رہ نما کانگریس کی طرف سے شروع کردہ تحریک سول نافرمانی میں مشغول ہو گئے۔ اس سے بہ ظاہر مجلس احرار دب گئی، لیکن جب ۱۹۳۱ء کے شروع میں احراری رہ نما جیلوں سے رہا ہوئے تو انہوں نے ازسرنو مجلس احرار کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا اور پہلے صدر کی حیثیت سے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا نام پیش ہوا، جسے اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ اس طرح وہ مجلس احرار اسلام کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۰ء تک دس سال مولانا لدھیانوی مجلس احرار اسلام کے صدر رہے۔ لیکن ان کی طویل نظر بندی کی وجہ سے مجلس ان کی صدارت سے محروم ہوگئی۔ ان کے زمانۂ صدارت میں تحریک کشمیر، تحریک کپورتھلہ، تحریک بہاول پور، تحریک قادیان اور تحریک شہید گنج کو مولانا کی فکری اور عملی رہ نمائی حاصل رہی۔ مولانا مجلس احرار کو پورے نظم وضبط کے ساتھ چلاتے رہے اور صوبہ یوپی اور صوبہ سرحد، بہار، بمبئی اور بنگال تک اس کے نظام کو پھیلایا اور منظم کیا۔ اپنے دور صدارت میں ہندوستان کے دیگر سیاسی لیڈروں سے سیاسی امور ومسائل میں ربط وضبط رکھا، جس سے مجلس احرار کے وقار میں اضافہ ہو۔

۱۹۳۱ء میں مجلس احرار اسلام کا صدر بننے کے کچھ دنوں بعد ۳۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء کو احرار نے کشمیر میں حکومت کشمیر کے خلاف تحریک شروع کردی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے گاندھی جی اور محمد علی جناح لندن گئے۔ کانفرنس شروع ہونے سے قبل قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے گاندھی جی کے سامنے اپنے مشہور چودہ نکات رکھے، جنھیں گاندھی جی نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ ''میں اپنی ذاتی حیثیت سے ہر چیز منظور کرنے کو تیار ہوں، لیکن کانگریس کی طرف سے کوئی منظوری نہیں دے سکتا''۔ ان حالات کے پیش نظر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے تحریک کشمیر کے دوران ۱۲/نومبر کو پریس کو حسب ذیل بیان دیا:

> ''یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے چودہ مطالبات منظور نہیں کیے جائیں گے۔ کیوں کہ حکومت ہند، ہندو اور کانگریس سے خائف ہے..... انگریز سمجھتا ہے کہ ہندو ہمارے نظام حکومت کو درہم برہم کردے گا..... اور مسلمانوں کی نسبت انگریز کے دل میں یقین پیدا ہوگیا ہے کہ ان میں کوئی ایسی سرفروش جماعت نہیں جو اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے انگریزی نظام حکومت سے ٹکّر لے ..... یہ خبر اخبارات میں آچکی ہے کہ وائسرائے نے گورنمنٹ برطانیہ کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی پروا کیے بغیر ہندو لیڈروں سے صلح کرلے..... بنابریں میں ہندوستان کے مسلمانوں کو پیغام دینا چاہتا ہوں کہ وہ حالات پر بہادری اور دیانت داری سے غور کریں.....'' ۵؎

اس وقت تحریک کشمیر کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کے فوراً بعد مولانا کا یہ بیان اخبارات میں شایع ہوا ۔ انہی وجوہ کی بناپر انھیں ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو دفعہ ۱۴۱۔ ۱۴۳۔اور ۱۰۸/ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے دفتر (مجلس احرار اسلام کا صدر دفتر) کی تلاشی لی گئی اور تمام کاغذات پولیس نے اپنے قبضے میں کر کے دفتر کو مقفل کر دیا۔ اس مرتبہ مولانا کو نیوسنٹرل جیل ملتان میں رکھا گیا۔ ان کے قیدی ساتھیوں میں اس وقت ہندوستان کی مایہ ناز شخصیات تھیں۔ مثلاً مولانا مظہر علی اظہر، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا احمد علی لاہوری ، مولانا قاری عبد الرحمن صاحب نکودری، شیخ حسام الدین امرتسری، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب (صدر جمعیۃ علماء ہند) اور مولانا احمد سعید دہلوی (ناظم جمعیۃ علماء ہند) وغیرہ۔ اس مرتبہ مولانا لدھیانوی ۲۲/ فروری ۱۹۳۳ء کو رہا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں ایک مرتبہ پھر مولانا کو گرفتار کیا گیا۔ اس بار یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے عوام میں تشدد آمیز تقریریں کی ہیں۔ عدالت میں مولانا نے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی تردید کی اور ان کا مدلل جواب دیا۔

دوسری جنگ عظیم سے قبل حکومت ہند نے برطانیہ کی امداد کے لیے آرمی بل پاس کیا، جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جو بھی فوج میں بھرتی کی مخالفت کرے اسے مجرم سمجھ کر دو سال کی سزا تجویز کی جائے۔ اس بل کی موافقت کرنے والوں میں ہندوستان کے بڑے بڑے رہ نما شامل تھے، لیکن مولانا لدھیانوی نے اس کی پرزور مخالفت کی اور پورے پنجاب میں اس کے خلاف ماحول بنانے کے لیے ہنگامی دورے کیے۔ ان کے ساتھ احرار کارکن بھی اس عمل میں شریک تھے۔ حکومت پنجاب کی اطلاع کے مطابق تقریباً ۲۸۰/ جلسے منعقد کیے گئے۔ حکومت پنجاب (یونینسٹ گورنمنٹ) نے حکومت ہند کے پاس یہ اطلاع دی کہ مولانا حبیب الرحمن اور ان کی جماعت مجلس احرار اس آرمی بل کی مخالفت میں پیش پیش ہے ۔ آرمی بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے مولانا نے جو رُخ اختیار کیا، اس سے سرکاری حلقوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی، جس کے نتیجے میں یکم نومبر کو انھیں لدھیانہ سے دفعہ ۱۲۴ (الف) کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا نے مجلس احرار کی صدارت سے استعفی دے دیا اور سول نافرمانی کے سلسلے میں ہندوستان بھر کے عظیم رہ نماؤں سے ملاقاتیں کیں، جن میں سبھاش چندر بوس، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا ابو الکلام آزاد اور رفیع احمد قدوائی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آخر میں مولانا آزاد سے گفتگو میں یہ بات طے پائی کہ یکم جنوری ۱۹۴۱ء تک مولانا آزاد اور گاندھی جی احرار سول نافرمانی کے حق میں اعلان کر دیں گے۔ اس اعلان کے بعد گاندھی جی کے پروگرام کے مطابق احرار رضا کار سول نافرمانی کریں گے۔

تحریک سول نافرمانی کے سلسلے میں مولانا آزاد کے ساتھ مشورہ کے بعد حکومت ہند نے سوچا کہ اگر گاندھی جی کی رہ نمائی میں ہندوستانی مسلمانوں نے سول نافرمانی شروع کر دی تو اس تحریک کو سنبھالنا ناممکن ہو جائے گا، اس لیے اس نے فوری طور پر اس کے خلاف عملی قدم اٹھایا اور ۱۴ر دسمبر کو مولانا آزاد کو الہ آباد سے اور رفیع احمد قدوائی کو لکھنؤ سے گرفتار کیا۔ ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو مولانا لدھیانوی مولانا عبید اللہ سندی، چودھری افضل اور ڈاکٹر عبد القوی لقمان سے بات چیت میں مشغول تھے کہ پولیس کی ایک لاری آئی اور نظر بندی قانون کے تحت مولانا کو گرفتار کر کے منٹگمری جیل میں قید تنہائی میں بند کر دیا۔ مولانا کی یہ نظر بندی مسلسل پانچ سال تک رہی۔

مولانا لدھیانوی نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گذار دیا۔ وہ جب آخری مرتبہ ۱۹۴۵ء میں رہا ہو کر آئے تو ہندوستان آزادی کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی پاکستان کا قیام بھی ناگزیر ہو چکا تھا۔ مولانا کسی صورت میں بھی ہندوستان کی تقسیم پر تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہندوستان کا بٹوارہ ہوتا ہے تو یہاں کے مسلمان ہر طرح سے کم زور ہو جائیں گے، خاص طور پر پنجاب کا علاقہ، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوگا۔ آزادی کے بعد ہونے والے واقعات نے مولانا کے نظریات کی تصدیق کر دی۔

مولانا لدھیانوی کی دینی، اصلاحی اور ملّی خدمات ہندوستان کی علمی و سیاسی تاریخ کا

ایک سنہرا باب ہے۔ جدو جہد آزادی کے دوران اسلام کے خلاف جو سازشیں ہوئیں، ان کا آپ نے بڑی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آپ کے زمانے کا سب سے اہم مسئلہ قادیانیت کا فتنہ تھا، جس کے ذریعہ انگریز اور دوسرے مخالفین اسلام، اسلام کے مستحکم نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے خاندانی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے فتنۂ قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور قادیانیوں کی سازش سے عوام کو آگاہ کرایا۔ وہ اپنی پوری زندگی قادیانیت کے خلاف جدو جہد میں لگے رہے، جب بھی ضرورت ہوئی، قادیانی سازش کو عوام کے سامنے بے نقاب کرتے رہے۔ انھوں نے ذاتی طور پر بھی قادیانی پروپیگنڈہ سے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور مجلس احرار کے اہم ارکان کو بھی اس کام پر مامور کیا کہ قادیان جا کر وہاں کے مسلمانوں کی خدمت کی جائے اور ان کے مذہب کی حفاظت کی جائے۔

۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان ہجرت کر جانے کا ایک ایسا وسیع اور طاقت ور رجحان بلکہ نشہ سب پر چھا گیا، جس کو روکنا اور مسلمانوں کو اس ملک میں مقیم رہنے پر آمادہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایسے حالات میں جہاں ہندوستان کے دوسرے علاقے متاثر ہوئے، وہیں مشرقی پنجاب خصوصاً لدھیانہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔ تقریباً یہی حالات پورے مشرقی پنجاب کے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں کے مسلمان یا تو پاکستان چلے گئے یا جو رہ گئے وہ مرتد ہو گئے، مسجدیں سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں چلی گئیں اور وقف کی جائدادوں پر بھی دوسروں کا قبضہ ہو گیا۔ ایسے حالات میں اگر پنجاب کے مسلمانوں کی طرف توجہ نہ کی جاتی تو یقیناً پورا مشرقی پنجاب کافر و مرتد ہو کر رہ جاتا اور پنجاب سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جاتا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے دہلی میں رہتے ہوئے اس کی طرف توجہ فرمائی اور اس کے لیے باقاعدہ طور پر 'انجمن حمایت اسلام' کے نام سے ایک کمیٹی بنائی۔ پنجاب کے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت، مساجد کو واگذار کرانا، مسلمانوں کو دوبارہ پنجاب میں ان کی حیثیت دلوانا اور آراضیٔ وقف کو غیر مسلموں کے قبضے سے لینا اس کے اہم مقاصد تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد مولانا مکمل طور پر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سیاست

سے کنارہ کش ہوکر دینی، اصلاحی اور ملّی خدمات انجام دینے لگے۔ آخری دس سالوں میں وہ اکثر وبیش تر مرض میں مبتلا رہے۔ آخرکار ۲؍ستمبر ۱۹۵۶ء کو یہ آفتابِ حریت ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ آپ کی تدفین دلی جامع مسجد کے ملحقہ قبرستان میں ہوئی۔[۶]

مجلس احرار اسلام کے مقاصد

مولانا لدھیانوی نے جس پلیٹ فارم سے ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں نمایاں کارنامہ انجام دیا وہ مجلس احرار ہے۔ اس کے قیام کی وجہ بیان کرتے ہوئے جانباز مرزا اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

> ''آخر یہ ہوا کہ ۲۸؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس نے لاہور دریائے راوی کے کنارے اپنے سالانہ اجلاس میں سکھوں کی ناراضگی کا بہانہ تراش کر نہرو رپورٹ کو دریائے راوی کے سپرد کرکے ہندوستان کی مکمل آزادی کا ریزرویشن پاس کرایا۔ نہرو رپورٹ کے خاتمے سے ان مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا جنہوں نے ملت اسلامیہ کی ناراضگی کے باوجود صرف آزادیٔ وطن کے لیے نہرو رپورٹ پر دستخط کیے تھے۔ لیکن کانگریس رہ نماؤں نے نہرو رپورٹ کو دریائے راوی میں غرق کرتے وقت ان سے مشورہ لینا بھی مناسب نہ سمجھا اور ایسی بے اعتنائی کا ثبوت دیا کہ بہی خواہان وطن کو کانگریس کی اس بے وفائی پر دلی رنج ہوا۔ اسی لمحے ہندوستان کے مسلمان رہ نماؤں نے اپنی الگ تنظیم کا وجود شدت سے محسوس کرتے ہوئے ۲۹؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگریس کے اسی پنڈال میں مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورے پر مجلس احرار کا قیام عمل میں لایا گیا''۔[۷]

مجلس احرار اسلام کے اغراض ومقاصد یہ تجویز کیے گئے:

الف: پرامن ذرائع سے ہندوستان کے لیے آزادی حاصل کرنا۔

ب: سیاسیات ہند میں مسلمانوں کی صحیح سیاسی راہ نمائی کرنا۔

ج: مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے درج ذیل ذرائع اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا:

الف: تمام ہندوستان میں مجالس احرار قائم کرنا۔

ب: ہر جگہ جیش مجلس احرار اسلام منظم کرنا۔

ج: مزدوروں اور کاشت کاروں کو اقتصادی اصول پر منظم کرنا۔

د: دیسی صنعتوں کو ترقی کے لیے اور سودیشی اشیاء کی ترویج کے لیے کوشش کرنا۔

ہ: قیام مجلس احرار کے لیے سرمایہ فراہم کرنا اور دیگر ایسے وسائل اختیار کرنا جو وقتاً فوقتاً ضروری خیال کیے جائیں۔ ۸؎

مجلس احرام اسلام کے اغراض ومقاصد کے متعلق ڈاکٹر پی۔این۔چوپڑا تحریر فرماتے ہیں:

''مجلس احرار کے اغراض ومقاصد میں ہندوستان کی آزادی، دوسری سیاسی تنظیموں سے اشتراک، مسلمانوں کی تعلیمی، معاشی پس ماندگی کو دور کرنے کی سعی اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور اسلامی نقطۂ نظر پیدا کرنا شامل تھے''۔ ۹؎

مجلس احرار کی خدمات

مجلس احرار کے ذریعہ جو کارنامے انجام دیے گئے ان میں سب سے اہم تحریک کشمیر اور تحریک ردِّ قادیانیت ہے۔

تحریک کشمیر

کشمیری مسلمان جن حالات سے دوچار تھے اور مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان نے جس طرح ہندوستان کے بااثر حضرات کو اپنی کشمیر کمیٹی کا ممبر نامزد کیا تھا، اس سے مولانا لدھیانوی نے محسوس کیا کہ اس طرح کشمیری مسلمانوں کا ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے، چنانچہ آپ نے بمبئی جاکر مولانا ابوالکلام آزاد سے کشمیری مسلمانوں کے مسئلے اور کشمیر کمیٹی کے فکر وعمل کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا حبیب الرحمن نے بمبئی سے واپسی پر مجلس احرار کے کارکنوں سے صلاح ومشورہ کے بعد اس کے پلیٹ فارم سے تحریک کشمیر کا آغاز کر دیا۔ اسی بروقت کوشش کا نتیجہ تھا کہ کشمیر کے لاکھوں مسلمان قادیانی ہونے سے بچ گئے۔ مجلس احرار کے تحریک کشمیر میں حصہ لینے کے نتیجے میں کشمیری مسلمانوں کو درج

ذیل فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ وہ کشمیری کاشت کار، جس کے پاس زمین تھی، لیکن وہ اس کا مالک نہیں تھا (کیونکہ ریاست کی تمام اراضی مہاراجہ کی ملکیت تھی) تحریک احرار کے بعد اس کا مالک بن گیا اور ریاست کے مالکانہ حقوق منسوخ ہوگئے۔

۲۔ پچاس فیصد لگان تحریک کے بعد صرف پانچ فیصد رہ گیا۔

۳۔ تقریر وتحریر اور جماعت بنانے کی اجازت مل گئی۔

۴۔ اخبار نکالنے اور آزادئ رائے پر کوئی پابندی نہیں رہی۔

۵۔ آزاد اسمبلی کا وجود تسلیم کرلیا گیا۔[۱۰]

مجلس احرار اسلام نے عظیم الشان حق حریت ادا کیا۔ اس نے کشمیری تحریک کو آزادی کے قریب پہنچا دیا اور اس میں جان ڈال دی۔ اس تحریک کے دوران تقریباً چونتیس ہزار احرار رضا کار جیل میں ڈالے گئے اور ستائیس شہید ہوئے۔

تحریک ردِّ قادیانیت

مرزا بشیر الدین محمود کے دور میں جو لوگ قادیانیت سے تائب ہوکر مسلمان ہوجاتے تھے، قادیانی ان کا سماجی بائیکاٹ کردیا کرتے تھے اور ان پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتے تھے۔ قادیان سے باہر کا کوئی مسلمان قادیان جانے میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ ایسے حالات میں وہاں کے مسلمان بہت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص آئے اور ان کی پریشانیوں کو دور کرے۔ چنانچہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو چنا۔ وہ قادیان، جہاں مسلمانوں کے ایمان سلامت نہ تھے، ان کی عزت وآبرو کو خطرہ لاحق تھا اور ان کا سانس لینا تک دشوار ہورہا تھا، وہاں مولانا مردانہ وار داخل ہوئے اور قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

مولانا اپنی پوری زندگی قادیانیت کے خلاف جدو جہد میں لگے رہے، جب بھی ضرورت ہوئی، قادیانی سازش کو عوام کے سامنے بے نقاب کرتے رہے۔ انھوں نے ذاتی طور پر قادیانی پروپیگنڈہ سے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور مجلس احرار کے اہم ارکان کو بھی اس کام پر مامور کیا کہ قادیان جاکر وہاں کے مسلمانوں کی خدمت اور ان کے

مذہب کی حفاظت کی جائے۔

مولانا لدھیانوی کی جرأت و بے باکی کا اندازہ ان کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہ جب احرار تبلیغ کانفرنس ۲۳/ مارچ ۱۹۳۴ء میں شمولیت کے لیے قادیان پہنچے اور وہاں لاکھوں کے مجمع میں جوشیلی تقریر کی تو اپنا اور اپنی جماعت 'مجلس احرار' کے نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی:

''خدا کی قسم! میں اس بات کا منتظر ہوں کہ قادیان کی گلیوں میں احرار رضا کاروں کے خون کی نہریں بہتی ہوں اور میں سمجھ لوں کہ آج میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ اگر میں اپنے مشن کو پورا کرتے ہوئے محمود کے حواریوں کے ہاتھوں خاص قادیان میں قتل کیا جاؤں تو میں اس کو شہادت کبریٰ تصور کروں گا''۱۱؎

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کی حقیقت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے متعلق اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

''نبوت کی بحث کس سے کرتے ہو؟ جو سرے سے مرزا (غلام احمد قادیانی) کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ آؤ تم کو یثرب نبوت کا حال سناؤں کہ ریگستانِ عرب کے لق ودق میں انتہا درجہ کی بے چارگی کے عالم میں علم توحید بلند کرتا ہے۔ اپنے بیگانے دشمن ہوگئے، قتل کے منصوبے کیے گئے اور وطن سے نکلنا پڑا۔ بتلاؤ کسی حکومت سے امداد کی درخواست کی کہ مجھے کفار مکہ سے بچاؤ۔..... یہ ہے شان نبوت۔ تم ہی بتلاؤ کہ قادیان کی نوزائیدہ نبوت پولیس کے بغیر کبھی دو قدم بھی باہر چلی ہے۔ ساری عمر کی قید نہیں، ایک دن بتلا دو کہ فلاں دن قادیان کی نبوت پولیس سے بے نیاز تھی۔ پس یہ نبوت تو پولیس کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے نبی بنا دے۔ پس جس شخص کا کسی پولیس افسر سے دوستانہ ہو نبوت کا دعویٰ کر دیا کرے۔ یاد رکھو کہ نبی جب کم زور ہوتا ہے تو وہ اپنی بہادری اور شجاعت کا عظیم الشان مظاہرہ دنیا کے سامنے کرتا ہے اور دنیا کی تمام طاغوتی اور مادی قومیں سرنگوں ہوجاتی ہیں اور جب وہ طاقت ور ہوجاتا ہے تو دشمنوں تک کے لیے رحیم ہوجاتا ہے'' ۱۲؎

مولانا موصوف کے اندر قادیانیوں کے خلاف عملی جدوجہد کا زبردست جذبہ پایا جاتا تھا۔ اسی جذبہ کے تحت وہ اپنی تقاریر میں برابر احرار رضا کاروں کو دشمنوں سے بے خوف ہوکر عملی جدوجہد کرنے کی تلقین کرتے رہے اور خود بھی تا زندگی اس پر عمل پیرا رہے۔

تحریک شاتم رسولؐ

۱۹۲۷ء کے وسط میں لاہور کے ایک ہندو ناشر 'راج پال' نے پنڈت چرم پتی ایم،اے کی چونسٹھ (٦٤) صفحات پر مشتمل کتاب 'رنگیلا رسول' نام سے شایع کی۔ اس میں حضورؐ کے دامن اطہر پر گندے چھینٹے ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کا دل بے قرار ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے پنجاب میں اس کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور پرجوش تقریریں کیں۔ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں خاص طور پر مسلمانوں سے کہا کہ:

''یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی زبان نہ رہے یا سننے والے کے کان نہ رہیں'' [۱۳]۔

مذکورہ بالا تقریر کی بنا پر انگریز حکومت نے آپ کو مجرم ٹھہرایا اور ۱۰ر جولائی کو دفعہ ۱۰۷ کے تحت لدھیانہ سے گرفتار کرلیا۔ حکومت نے عدالت میں مقدمہ چلایا اور ضمانت طلب کی کہ آئندہ اس طرح کی بات نہیں کہیں گے۔ لیکن مولانا نے ضمانت دینے سے انکار کردیا، جس کی وجہ سے آپ کو ایک سال قید کی سزا دی گئی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۹۵۵ء کے اخیر میں پیش آیا کہ کسی شخص نے حضورؐ کے اسم مبارک کو توہین آمیز طریقے سے استعمال کیا۔ اخبارات کے ذریعہ یہ خبر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ جب مولانا حبیب الرحمن کی نظر سے یہ خبر گذری تو وہ مضطرب ہوگئے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر اس قسم کے واقعات برابر پیش آتے رہے، جن سے بانیان مذاہب کی توہین کی جاتی ہو تو اس سے ملک کا امن وسکون برباد ہوکر رہ جائے گا اور پوری دنیا میں ہندوستان کے باشندے ذلیل ورسوا ہوں گے۔ اپنے تاثر کا اظہار انھوں

نے ایک مضمون میں کہا، جس میں تحریر فرمایا:

''کیا ہماری بڑی کوتاہی اور جرم نہیں ہے کہ ہم نے اپنے ہمسایہ قوم کو ایک ہزار سال میں بھی حضور ﷺ کی شخصیت سے متعارف نہیں کرایا۔ ہم ہر سال کروڑوں روپیہ مولود خوانی اور سیرت النبی کے جلسوں پر تو خرچ کرتے ہیں، لیکن اپنے کروڑوں ہم وطنوں کو حضور ﷺ کی سیرت و شخصیت کے تعارف سے محروم رکھتے ہیں۔ ہم سب کو خدا کے سامنے اپنی اس غفلت کا جواب دینا ہوگا جو ہم نے ہم وطنوں سے برتی ہے۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں جب کبھی متعصب سے متعصب غیر مسلم کو نبی کریم ﷺ کی شخصیت اور سیرت کا تعارف کرایا تو وہ رونے لگا اور ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ: کاش! حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپؐ کی زندگی کے حالات تمام دنیا کو اس طرح بتائے جائیں، جس طرح کہ آپ نے ہم کو بتائے ہیں''۔ ۱۴؎

ردِّ قادیانیت میں احرار کی خدمات

فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی میں مولانا حبیب الرحمن کے خاندان کے بزرگوں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مرزا غلام احمد (پیدائش ۱۸۳۹ / ۱۹۰۸ئ) نے ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو مولانا کے دادا مولانا محمد اور ان کے دو بھائیوں (مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالعزیز) نے مرزا سے ملاقات اور گفتگو کے بعد اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ بعد میں اس کی کتاب 'براہین احمدیہ' دیکھنے کے بعد اس کفر کی تصدیق ہوگئی۔ علماء دیوبند کی ایک مجلس ہوئی، جس میں مولانا محمد لدھیانوی اور ان کے برادران کی تحقیقات پر علماء دیوبند نے رضامندی کے دستخط ثبت کیے اور مرزا کے کافر و مرتد ہونے کی تصدیق کردی۔ بعد میں رفتہ رفتہ دیگر اہل علم نے بھی مرزا قادیانی کے ضال و مضلّ ہونے پر اتفاق کیا، حتی کہ علماء حرمین نے بھی اس کے دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ تحریر کیا۔ ۱۵؎

برصغیر میں ردِّ قادیانیت کے میدان میں جو جماعتیں سرگرم ہوئیں اور انھوں نے باقاعدہ اپنے رضاکاروں میں زبردست ولولہ اور جوش بھر دیا، ان میں سب سے اہم مجلس احرار تھی۔ اس میں مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے رہ نما شامل تھے۔ مولانا

حبیب الرحمن لدھیانوی اس کے روح رواں، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اس کے دست و بازو اور چودھری افضل حق اس کا دماغ تھے۔ اس کے بقیہ ممبران میں بڑے ذی استعداد علمائ، وکلائ، شعرائ، ادباء اور خطباء تھے، جن میں تقویٰ، پرہیزگاری، علم و عمل، دین داری اور تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

مجلس احرار نے فرقۂ قادیانیت کے متعلق ایسی واضح اور دوٹوک پالیسی اختیار کی جیسی آج تک کوئی سیاسی یا مذہبی جماعت اختیار نہیں کر پائی۔ اس نے قادیانیوں کا پنجاب، بلوچستان اور بتدریج پاکستان میں قادیانی اسٹیٹ قائم کرنے کا منصوبہ جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا گیا، ان کے عزائم مشئومہ سے امت مسلمہ کو باخبر رکھا، حکومت اور اعیان حکومت کو ان کی سرگرمیوں سے مطلع کیا اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام میں سرگرم کردار انجام دیا، جس کے تحت اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں میں وافر مقدار میں کتب و رسائل اور پوسٹر شایع کروایے۔ ختم نبوت کے متعلق جو خدمات احرار نے انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ خاص طور سے پاکستان میں ۱۹۵۳ء میں قادیانیت کا پردہ چاک کرکے اور اس کے خلاف ایک زبردست تحریک شروع کرکے جو عظیم کارنامہ انجام دیا وہ احرار ہی کا حصہ ہے۔

احرار کانفرنس

قادیان میں مرزائیوں نے اپنی اکثریت کے زعم میں ظلم و قہر برپا کر رکھا تھا۔ وہ غیر مرزائی آبادی کو پریشان و حراساں کرتے تھے۔ انگریز حکومت کی موجودگی میں خلیفہ قادیان کا گھریلو آئین جاری تھا، دن کی روشنی میں مخالفوں کا قتل عام، مسلمانوں کا اقتصادی مقاطعہ، عصمتوں کی پامالی اور قصر خلافت میں اخلاق سوز حرکات کا صدور ہوتا تھا۔ ان جرائم سے حکومت بھی پریشان تھی، لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتی تھی، کیوں کہ یہ انہی کا لگایا ہوا پودا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر مجلس احرار نے عملی اقدام کرتے ہوئے قادیان میں اپنا ایک دفتر کھولا اور قادیانیت کے خلاف اسی کے گھر سے آواز بلند کی۔ کچھ ہی دنوں بعد مجلس احرار نے دوسرا عملی قدم اٹھاتے ہوئے خاص قادیان میں ردِّ قادیانیت کانفرنس کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس پر قادیانیوں نے انگریزی حکومت

سے درخواست کی کہ احراری ہم پر حملہ کرنے آ رہے ہیں، انہیں روکا جائے۔ اس کانفرنس میں احرار کے ممبران بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ احرار اسپیشل ٹرین، جو چالیس ڈبوں پر مشتمل تھی، امرتسر سے قادیان کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کے دونوں طرف احرار کے سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ اس کانفرنس میں احراری رہ نماؤں کے علاوہ دیگر قدآور شخصیات میں مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مفتی ابوالوفا شاہ جہاں پوری اور مولانا احمد علی لاہوری وغیرہ تھے۔ کانفرنس مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی صدارت میں شروع ہوئی۔ ان کے علاوہ اس موقع پر دیگر علماء کرام کی تقریریں ہوئیں۔ آخری اجلاس میں حسب ذیل قراردادیں منظور ہوئیں:

(۱) تمام دنیائے اسلام کے علماء مرزا کو اس کے دعوائے نبوت اور دیگر دعاوی وعقائد کفریہ کی بنا پر اسلام سے خارج اور مرتد سمجھتے ہیں، اس لیے کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام مرزائیوں کو مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔

(۲) مسلمانان ہند کا یہ اجتماع اپنے عزم بالجزم کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک حکومت چودھری ظفر اللہ خاں کی تقرری کو منسوخ کر کے اپنی قادیانیت نواز پالیسی میں تبدیلی نہیں کرتی، مسلمانان ہند اپنے احتجاج کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔

بہرحال عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قادیانی حصار کو توڑنا بہت ضروری تھا۔ برطانوی پناہ میں ہونے کی وجہ سے اس میں دراڑ ڈالنا بہت دشوار تھا۔ احرار نے ہر رخ سے اس پر یلغار کی اور اس کی سرکوبی میں کامیابی حاصل کی۔

قادیانوں کی طرف سے دعوت مباہلہ کا جواب

مرزا بشیر الدین محمود نے مجلس احرار کو دعوت دی کہ آؤ قادیان اور مباہلہ کیا جائے۔ مجلس احرار نے اس دعوت کو فوراً قبول کیا اور ۱۳ ستمبر کو قادیان پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کا شایع ہونا تھا کہ قادیانیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ کہنے لگے کہ احرار والے قادیان میں پھر فساد کرنے آ رہے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ احراری تحریکِ شہید گنج میں الجھے ہوئے ہیں، وہ ہمارے چیلنج کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن جب احرار نے ان کے چیلنج کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا تو مرزائی پریشان ہوئے۔ مجلس احرار نے

مولانا مظہر علی اظہر کو مباہلہ کے لیے نام زد کیا۔ تاریخ مقررہ پر احراری رہ نما قادیان پہنچے اور ان کی تقریریں ہوئیں۔ مولانا مظہر علی اظہر نے اپنی تقریر میں مرزائیوں کو دعوت مباہلہ دیتے ہوئے فرمایا:

"یہ بات احرار کے حصے میں آئی ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرانے عیسائیوں کو آیتِ مباہلہ کے ذریعہ مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اسی طرح ہم بھی آج ان نئے مسیحوں یعنی قادیانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ مباہلہ کے بارے میں حکم قرآنی یہ ہے کہ آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے نفسوں کو بلاؤ، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہم میں سے جس کو زیادہ سے زیادہ بدعقیدہ یا بدعمل، خائن یا غدار سمجھے اس کو مباہلہ کے لیے بلالے، وہ شیعہ ہو یا سنّی، بریلوی ہو یا دیوبندی، حنفی ہو یا اہل حدیث، وہ اسی طرح اپنے خاندان کو میدانِ مباہلہ میں لے کر نکلے گا جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسینؓ کو گود میں لیے ہوئے اور حضرت حسنؓ کو انگلی سے لگائے ہوئے اور جناب فاطمہ الزہرہؓ اور حضرت علیؓ شیر خدا کو پیچھے پیچھے ہم راہ لیے ہوئے وفد بنو نجار کے مقابلہ میں مباہلہ کے لیے نکلے تھے"۔ ۱۶؎

مسلم انجمنوں سے مرزائیوں کے اخراج کا مطالبہ

۳۱ر جنوری ۱۹۳۵ء کو مجلس احرار کی طرف سے ہندوستان بھر کی مسلم انجمنوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے اداروں سے مرزائیوں کو خارج کردیں۔ اس کی سب سے زیادہ زد لاہور کی انجمن حمایت اسلام پر پڑ رہی تھی۔ علامہ اقبال کے مستعفی ہونے کے باوجود مرزائی اس کے ممبر بنے رہے اور یہ انجمن ان کو اپنے سے علیحدہ نہ کرسکی۔ چنانچہ مجلس احرار نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر عوام کی جانب سے ایک قرارداد پیش کی کہ مرزائیوں کو اب تک انجمن سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔ چوں کہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ غیر مسلم ہیں اور غیر مسلم انجمن حمایت اسلام کا ممبر نہیں ہوسکتا، اس لیے انھیں انجمن کی

ممبرشپ سے خارج کیا جائے۔ اس قرارداد پر بہت ہنگامہ ہوا، پھر بھی اسے اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا۔ ۱۷؎

شعبۂ تبلیغ کا قیام

مجلس احرار نے ہندوستانی عوام اور خاص طور پر قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کے حالات اور ان کے لیے تبلیغ اسلام کی ضرورت و اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے شعبۂ تبلیغ کی بنیاد ڈالی اور اس ضمن میں تین شعبے قائم کیے:

(۱) شعبۂ تبلیغ، (۲) شعبۂ اصلاح تنظیم، (۳) شعبۂ خدام خلق

یہ شعبے ملازم پیشہ مسلمانوں کی اس بنیادی کمزوری کو بھانپتے ہوئے قائم کیے گئے تھے کہ وہ مجلس احرار کے ساتھ سرگرم تعاون نہیں کرسکتے، اس لیے وہ اس شعبہ میں کام کریں، جس سے ان کی سرکاری ذمہ داریاں بھی مجروح نہ ہوں اور دین کا کام بھی ہوتا رہے۔ اس شعبہ کے اغراض ومقاصد یہ طے پائے:

۱۔ ہندوستان میں اور بیرون ہند میں اسلام کے مقدس اصولوں کی اشاعت کرنا۔

۲۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا جذبۂ صادق پیدا کرنا اور مبلغین اسلام کی ایک سرگرم ٹیم تیار کرنا۔

۳۔ فتنہ قادیان کے تباہ کن اثرات سے تعلیم اسلامی کو محفوظ رکھنا اور مسلمانوں کو ان کے دجل سے بچانا۔

۴۔ خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

۵۔ یہ شعبہ خالص دینی اور مذہبی ہوگا۔ سیاسیات ملکی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ۱۸؎

قادیان میں احرار کا دفتر قائم ہوچکا تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد اس جگہ مدرسہ جامعہ محمدیہ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ شعبہ تبلیغ کے قیام نے مرزائیوں میں ہیجان اور مسلمانوں میں تبلیغ دین کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس شعبہ نے سب سے پہلے مبلغین اسلام کی ایک سرگرم جماعت تیار کی، جس نے اپنے فرائض بہ خوبی ادا کیے۔ مولانا لال حسین اختر کو اس شعبہ کا پہلا نگراں مقرر کیا گیا، جنہوں نے ہند و بیرون ہند کے دورے کرکے شعبہ کے مقاصد پورے کیے۔